R. No. 2166/57 — Regd. No. L. 922

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

ٹیلی فون ۔ ۹
قیمت فی پرچہ ۱۰ پیسے
[illegible]

جلد ۲۵ ۔ شمارہ ۲۶ | ایڈیٹر: آل احمد سرور | ۸ر جولائی ۱۹۶۶ء

آل احمد سرور

کابل میں ایک ہفتہ

(۲)

کل ہم لوگ ادارہ فرہنگیں گئے۔ وہاں ادارہ کے ڈائرکٹر محمد عتیق اللہ پژواک سے ملاقات ہوئی۔ انھوں نے ہمارا بڑی گرمجوشی سے خیر مقدم کیا۔ پشتو کے متعلق ضروری لٹریچر دیا۔ کابل اور ہرات کے متعلق ادارے کی دو مطبوعات، افغانستان اور کابل کا نقشہ، سیمینار میں پڑھے جانے والے مقالات، سب ایک خوبصورت فائل میں تھے۔ انھوں نے چائے پلائی۔ بے دودھ کی چائے کا رواج یہاں عام ہے۔ میں روس میں اس قسم کی چائے پی چکا ہوں، مالک رام صاحب بھی اس کے مزے کو ناپسند نہیں کرتے۔ غرض گھنٹے بھر کے قریب باتیں ہوئیں اور پھر خرم کے ساتھ ہم ہوٹل کابل واپس آ گئے۔ خرم کو میں نے شہزادہ خرم کہنا شروع کر دیا۔ یہ بڑے ہنس مکھ اور خلیق و متواضع آدمی ثابت ہوئے۔

واپس آ کر کچھ دیر آرام کیا۔ ہوٹل میں تیسری منزل پر مالک رام صاحب کمرہ ۲۰۹ میں اور میں ۲۱۱ میں تھے۔ ہوٹل کے کارکن انگریزی سمجھ لیتے تھے ویسے عام رواج فارسی کا ہے۔ ہم دونوں نے بھی فارسی کی ٹانگ توڑنی شروع کر دی۔ بیروں سے برابر فارسی میں گفتگو کرتے تھے۔ ۵ بجے کے قریب میں نے قاضی یونس کو ٹیلی فون کیا۔ آدھے گھنٹے میں وہ مع بیوی اور دو چھوٹے بچوں کے اپنی کار لے کر آ گئے۔

قاضی یونس کا تعارف ضروری ہے۔ یہ علی گڑھ میں لیکچرر تھے۔ زمانۂ طالب علمی میں بڑے پرجوش کمیونسٹ تھے۔ پھر لیکچرر ہو گئے۔ لیکچرری کے زمانے میں ڈاکٹر ضیاء الدین سے اکثر جھڑپیں ہوا کرتی تھیں۔ بڑے مخلص، پڑھے لکھے اور اصول پرست آدمی ہیں۔ بحث کرنے میں انھیں بہت لطف آتا ہے اور بڑی گرمجوشی سے بحث کرتے ہیں۔ اب تو وقت کے ہاتھوں خیالات اور مزاج دونوں میں خاصا اعتدال آ گیا ہے، ورنہ پہلے تو بغیر نوٹس دیے بھڑک جانے والا مادہ تھے۔ علی گڑھ سے پلاننگ کمیشن میں چلے گئے۔ سوئزرلینڈ اور انگلستان کئی سال رہے۔ اب اقوام متحدہ کے تکنیکل امداد کے مشن کے ممبر ہیں اور چھ سات سال سے کابل میں ہیں۔ حکومت افغانستان ان کی صلاحیت پر بہت بھروسہ کرتی ہے اور یہ بھی بڑی محنت اور جانفشانی سے کام کرتے ہیں۔ ان کی بیوی عائشہ میرے پرانے ساتھی اختر حسین صاحب کی لڑکی ہیں۔ اختر حسین صاحب کا حال ہی میں انتقال ہوا ہے۔ یونس کی دو پیاری پیاری بچیاں ہیں۔ ایک پانچ سال کی دوسری تقریباً تین سال کی۔ یونس نے کچھ دیر تک ادھر ادھر کی باتیں کیں پھر اصرار کیا کہ چلیے قرغہ تک ہو آئیں۔ یہ کابل کی ایک سیرگاہ ہے۔ شہر سے تقریباً ۱۰ میل کے فاصلے پر ایک مصنوعی جھیل ہے۔ چاروں طرف سرسبز پہاڑیاں ہیں۔ جھیل کے کنارے ایک خوبصورت ریستوران ہے۔ یہاں دیکھا تو یورپی سیاح اور افغانی خاصی تعداد میں موجود تھے۔ کچھ تیر رہے تھے۔ کچھ چائے یا کافی پی رہے تھے۔ ہم لوگوں نے یونس کے اصرار پر کافی پی۔ یونس نے بتایا کہ گو یہاں کی پہاڑیاں عام طور پر بے آب و گیاہ معلوم ہوتی ہیں، لیکن جہاں پانی پہنچ جاتا ہے وہاں خاصی ہریالی ہوتی ہے۔ ان سے افغانستان کی ترقی کے متعلق معلومات حاصل کیں۔ پتہ چلا کہ افغانستان کو روس، امریکہ، جرمنی، انگلستان سبھی ممالک مدد دیتے ہیں۔ افغان بھی اتنے پختہ کار ہو گئے ہیں کہ سب سے دوستی رکھتے ہیں اور ان کا ملک ترقی کر رہا ہے۔ ہندوستان سے زیادہ تر چائے اور کپڑا آتا ہے۔ یہاں سے خشک اور تر میوہ جاتا ہے۔ مگر پاکستان سے راستہ ہونے کی وجہ سے تر میوہ بہت کم جا پاتا ہے۔ ہوائی جہاز کی سروس ہفتے میں چار دفعہ ہے۔ ایک انڈین ایرلائنس کی ہر اتوار کو، تین افغانستان کی ایریانا کی، ایک جمعرات کو دہلی کے لیے اور دو امرتسر کے لیے۔ شہر میں نئی عمارتیں تیزی سے بن رہی ہیں۔ سڑکیں روسیوں نے بنائی ہیں یا امریکیوں نے۔ کابل کو بجلی روسیوں کی بنائی ہوئی [illegible] امریکیوں نے [illegible] ہوائی اڈہ [illegible] راستہ نہیں ہے۔

واپسی کے وقت شام ہو گئی تھی۔ قاضی یونس نے گاڑی اسٹارٹ کرنی چاہی تو تیل زیادہ ہونے کی وجہ سے اس نے چلنے سے انکار کر دیا۔ ہم لوگوں نے تھوڑی دیر دھکیلا مگر بی صاحبہ کا مزاج درست نہ ہوا۔ چنانچہ قرغہ ریستوران سے تقریباً سو گز کے فاصلے پر رک گئے۔ قاضی واپس گئے اور کسی دوسری کار سے افغانی ڈرائیور کو لے کر آئے۔ اس سے کچھ نہ بنا۔ اندھیرے میں [illegible] گاڑی کے پرزوں کی تحقیقات اور انجن کی دیکھ بھال کی۔ پھر ایک سکھ ادھر سے گزرے ان سے ہم لوگ باتیں کرتے رہے۔ ان کے آدمی گاڑی کے انجن پر جھکے رہے اور قاضی دوڑ دوڑ کر گاڑی کے پیچھے سے اندھیرے میں اوزار نکال کر دیتے رہے۔ آٹھ بجے ہمارا [illegible] کے کمروں کی طرف سے باغ بالا میں صاحب [illegible]

آ تھ بج گئے تو سوچا کہ اب وہاں جانے سے کیا فائدہ۔ بھوک بھی ڈ تھی اس لیے طے کیا کہ ہوٹل پہنچ کر سو جائیں گے۔ کوئی ساڑھے آٹھ بجے کے بعد گاڑی ٹھیک ہوئی۔ پولس بار بار معذرت کر رہے تھے۔ حالانکہ ان کا کوئی قصور نہ تھا ہم لوگ نو بجے ہوٹل کابل واپس پہنچے تو معلوم ہوا کہ سیمنار والوں نے کار بھیجی ہے۔ کھانے پر انتظار ہو رہا ہے۔ اب جانا ہی پڑا۔ ساڑھے نو بجے کے قریب باغ بالا پہنچے تو وہاں چڑھائی پر ایک خوبصورت عمارت میں بڑا شاندار ڈنر تھا۔ بلا مبالغہ ڈیڑھ سو سے کم آدمی نہ تھے ہم نے تب سے تضرع خشوع سے معذرت کی۔ معلوم ہوا ایسی دیر نہیں ہوئی تھی۔ اب تک لوگ پینے پلانے میں مصروف تھے۔ کھانا اسی وقت شروع ہوا تھا۔ افغانی مرد، عورتیں، سیمینار میں ایران سے آنے والے نمائندے، امریکن، ایرانی مرد، عورتیں۔ غرض بہت بڑا مجمع تھا۔ کھانا کیا تو میز کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک درجنوں کھانے تھے۔ خوبانیاں، آڑو، گلاس (چیری)، آلوچے بکثرت تھے میں نے ذرا احتیاط برتی اور پھلوں پر خاص توجہ کی۔ مالک رام صاحب تو ویسے ہی بہت محتاط آدمی ہیں۔ مختلف لوگوں سے فارسی میں یا انگریزی میں باتیں کرتے رہے۔ کچھ لوگ اردو جاننے والے بھی مل گئے۔ ایک افغانی لڑکی نے خاص صاف اردو میں کہا کہ مجھے اردو بہت پسند ہے۔ میں نے پوچھا کہاں سیکھی۔ بولی پاکستان میں۔ غرض بڑی پر لطف صحبت کے بعد ہم لوگ گیارہ بجے کے قریب ہوٹل واپس آئے۔

(باقی آئندہ)

مولانا آزاد کے خطوط

جناب مالک رام صاحب نے کچھ عرصہ ہوا اخباروں کے ذریعہ سے یہ درخواست کی تھی کہ جن لوگوں کے پاس مولانا آزاد کے خطوط ہوں وہ ان کے پاس رابندر بھون، نئی دہلی کے پتہ سے بھیج دیں۔ ان کی درخواست پر کچھ خطوط مل گئے ہیں، مگر خیال یہ ہے کہ ابھی کچھ لوگوں کے پاس ان کے اور بھی غیر مطبوعہ خطوط ہوں گے۔ ساہتیہ اکاڈمی مولانا آزاد کی ساری تصانیف نہایت صحت کے ساتھ شائع کر رہی ہے اور مالک رام صاحب سارا مواد اڈٹ کر رہے ہیں۔ سارے خطوں کو ایک علیحدہ جلد میں شائع کیا جائے گا۔ ایک بار پھر ان تمام حضرات سے درخواست کی جاتی ہے جن کے پاس مولانا کے خطوط ہیں کہ وہ اصل خط یا اس کی نقل مالک رام صاحب کے پاس ساہتیہ اکاڈمی رابندر بھون نئی دہلی کے پتے پر بھیج دیں۔ اصل خط حفاظت کے ساتھ واپس کر دیا جائے گا۔

(ادارہ ہماری زبان)

ہندوستان بھر میں عربی، فارسی اور سنسکرت کے نایاب مخطوطات کا مائکرو فلموں کے لیے یونیسکو کی امداد وصول ہو گئی

کلکتہ ۷ جولائی۔ ہندوستان بھر میں اہم اور نایاب تاریخی دستاویزات اور مخطوطات کی مائکرو فلمیں بنا کر انھیں محفوظ کر لیا جائے گا۔ حکومت ہند اور اقوام متحدہ کے تعلیمی، سائنسی اور ثقافتی ادارے کے درمیان لاگت برابر برابر برداشت کرنے کی بنیاد پر ایک معاہدے کے تحت نیشنل لائبریری کلکتہ میں مائکرو فلمیں تیار کرنے کا کام شروع کر دیا گیا ہے۔ فلمیں بنانے کے لیے مخطوطات کے انتخاب کے لیے حکومت ہند نے ماہرین کی ایک کمیٹی قائم کی ہے۔ یونیسکو نے ایک ماہر کی خدمات اور ضروری ساز و سامان کا بندوبست کر دیا ہے یونیسکو کی طرف سے اس کام کے لیے مقرر کیے ہوئے مسٹر اے سالم (متحدہ عرب جمہوریہ) آج کل نیشنل لائبریری کلکتہ میں نایاب مخطوطات کی مائکرو فلمیں بنا رہے ہیں وہ اس کام کے سلسلے میں اور دیگر اہم لائبریری مراکز میں جائیں گے اور سنسکرت عربی اور فارسی سمیت کئی زبانوں میں نادر مخطوطات کی مائکرو فلمیں بنائیں گے اس پراجکٹ کی تکمیل نیشنل لائبریری کلکتہ کی ذمہ داری ہے۔ (پرچم ہند پٹنہ)

کہانیوں کا مقابلہ ۲۱۰۰ روپیہ کا انعام

بی بی سی لندن کا اعلان

بی بی سی نے مختصر افسانوں کے ایک مقابلہ کا اعلان کیا ہے جس میں برطانیہ سے باہر رہنے والے افسانہ نویس حصہ لے سکیں گے۔ پہلا انعام ۱۰۰ پونڈ (۲۱۰۰ روپے) کا ہے۔ جن دیگر افسانہ نویسوں کی کہانیاں براڈکاسٹ ہونے کے لیے منتخب ہوں گی ان میں سے ہر ایک کو بیس پونڈ دیے جائیں گے۔ کہانی غیر شائع شدہ انگریزی زبان میں اور ۱۰۰۰ سے ۲۰۰۰ الفاظ پر مشتمل ہو۔ کہانی انسانی تجربہ کے کسی گوشہ پر ایسے ڈھنگ سے روشنی ڈالتی ہو کہ اسے دنیا میں ہر جگہ سمجھا جا سکے۔ کہانیاں مندرجہ پتہ پر بھیجی جائیں۔

شارٹ اسٹوری کمپٹیشن بی بی سی ورلڈ سروس بش ہاؤس لندن ڈبلیو سی ٹو

(سیاست جدید کانپور)

کتابوں کی عالمی نمائش

بلغراد (تاس) یہاں ۲۲ جون کو کتابوں کی ۱۱ ویں عالمی نمائش کا افتتاح کیا گیا۔ اس میں ۱۷ ممالک بشمول بلغاریہ، ہنگری، جرمن جمہوری ری پبلک، پولینڈ، رومانیہ، چیکوسلاوکیہ، سوویت یونین، یوگوسلاویہ، اٹلی، فرانس، امریکہ اور ہندوستان شریک ہیں۔ اس نمائش کے لیے سوویت یونین نے سماجی، سیاسی اور سائنسی تکنکی موضوعات پر ۳ ہزار کتابیں پیش کی ہیں۔ اس میں بچوں کی کتابیں بھی شامل ہیں۔

نذر الاسلام اکیڈمی کا افتتاح

کلکتہ ۵ جون (پی ٹی آئی) بنگال کے انقلابی شاعر قاضی نذر الاسلام کی شاعری اور ان کے خیالات کی نشر و اشاعت کی غرض سے آج یہاں نذر الاسلام اکیڈمی کا افتتاح ہوا۔ یہ نیتا جی سبھاش چندر بوس کے آبائی مکان نیتا جی بھون میں قائم کی گئی ہے۔ اس سلسلہ میں مشہور اہل قلم کی ایک کمیٹی بھی قائم کر دی گئی ہے۔ (الجمعیۃ دہلی)

انسائیکلوپیڈیا برٹینکا کا نیا ایڈیشن

انسائیکلوپیڈیا برٹینکا کا پہلا ایڈیشن ۱۷۶۸ء میں شائع ہوا تھا۔ اس وقت یہ تین جلدوں میں ایک سیر ڈگرت نکلا تھا اور ۲۶ واں ایڈیشن ۲۵ ہزار صفحے لکھے گئے تھے۔ اس وقت دو اشخاص کی امداد سے انسائیکلوپیڈیا مرتب ہوتا تھا اب دس ہزار اشخاص کی مدد سے نیا ایڈیشن تیار کیا گیا ہے۔ پہلا ایڈیشن اڈنبرا سے شائع ہوا تھا اب اس کی ملکیت امریکہ کو منتقل ہو گئی ہے۔ (کتابی دنیا)

سید فضل المتین

داغؔ کے شاگرد حکیم بہاؤالدین خان
(بہاؔر اجمیری)

حالات۔

جناب علاؤالدین خاں صاحب علاؔ اجمیری ابن حکیم بہاؤالدین خاں بہاؔر اجمیری فرماتے ہیں:

"حکیم بہاؤالدین بہاؔر سردار بہادر امیر دین محمد خاں (قندھار) کے صاحبزادے تھے۔ امیر دین محمد خاں اور نواب حاجی محمد خاں[1]، اپنے اپنے جرگہ کے امیر تھے۔ جب تیسری افغان وار میں میجر لارنس افغانوں کے ہاتھ گرفتار ہوئے تو میجر لارنس نے امیر دین محمد خاں اور حاجی محمد خاں کو پیغام دیا کہ اگر تم لوگ مجھے آزاد کرا کر کسی صورت سے ہندوستان پہنچا دو تو میں تمہیں وہاں اعلیٰ عہدہ دلاؤں گا۔

امیر دین محمد خاں اور حاجی محمد خاں کو ہندوستان دیکھنے کا بہت شوق تھا۔ انھوں نے میجر لارنس کو آزاد کرانے اور ان کے ہمراہ آنے کی کوششیں شروع کر دیں۔ جب دیگر افغان امیروں کو صورت حال کا علم ہوا تو انھوں نے ان کے ترک وطن اور میجر لارنس کی آزادی کو مناسب جانا اور اجازت دی کہ یہ لوگ مع فیملی ہندوستان چلے جائیں اور آئندہ پھر کبھی واپسی کا ارادہ نہ کریں۔ یہ لوگ راضی ہو گئے اور مع فیملی و میجر لارنس ہندوستان چلے آئے۔ میجر لارنس نے ہندوستان آ کر اپنا وعدہ پورا کیا۔ نواب حاجی محمد خاں راجستھان میں A.G.G. کے میر منشی مقرر ہوئے اور امیر دین محمد خاں کو سردار بہادر کا خطاب دے کر رام پور میں انگریزی فوج کا کمانڈنگ افسر نامزد کیا گیا۔ نواب رام پور کلب علی خاں امیر دین محمد خاں سے ربط رکھنا چاہتے تھے۔ اسی لیے انھوں نے استاد داغؔ کو کوشش کر کے امیر دین محمد خاں کے رسالہ میں داروغہ اصطبل کا عہدہ دلایا۔ استاد داغؔ اور امیر دین محمد خاں میں تو گہرے مراسم پیدا ہو گئے لیکن نواب رام پور اور امیر دین محمد خاں میں نہ بن سکی۔ یہی وجہ تھی کہ امیر دین محمد خاں کے انتقال کے بعد ان کے لڑکوں کو نواب رام پور کی ناراضگی کے سبب رام پور چھوڑنا پڑا۔

بہاؤالدین خاں بہاؔر نے باقاعدہ لکھنؤ میں علم طب حاصل کیا تھا وہ رام پور سے جودھپور چلے آئے۔ مہاراجہ جودھپور جسونت سنگھ نے ۳۰۰ روپیہ ماہوار پر اپنا شیر طبی مقرر کر لیا اور اپنے منشی جان (A.G.G.) میاں فضل رسول کی لڑکی سے ان کی شادی کرا دی۔ بہاؤالدین خاں بہاؔر کو جودھپور کی آب و ہوا موافق نہ آئی اور وہ وہاں کے درباری ماحول سے بھی دل برداشتہ رہے۔ آخر نواب حاجی محمد خاں کے صاحبزادے نواب عبداللہ خاں مطلب[1] نے انھیں اپنے یہاں اجمیر بلوا لیا۔ اجمیر آ کر حکیم بہاؤالدین خاں بہاؔر نے درگاہ شریف حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے سبب میں "طبیب خاص" کی حیثیت سے ملازمت اختیار کر لی اور تا دم آخر یہ خدمت انجام دیتے رہے۔ ۱۹۲۳ء میں وفات پائی۔"

قطعۂ تاریخ وفات یہ ہے۔

تھا درد گردہ پیام اجل تھا — اطبا نے ہر چند فکر دوا کی
رجب کی تھی گیارہ تھا دن چہارشنبہ — جب اجمیر میں اس جہاں سے قضا کی
لکھی لوح مرقد پہ تاریخ رحلت — یہ تربت ہے طاہر جناب بہاؔر کی

تلمذ۔

"پیام یار" جنوری ۱۸۸۷ء میں تحریر ہے
"جناب حکیم محمد بہاؤالدین صاحب بہاؔر شاگرد جناب داغؔ دہلوی از اجمیر"
نیز تذکرۂ ضیغم میں یہ عبارت ملتی ہے۔
"بہاؔر تخلص بہاؤالدین نام ساکن اجمیر شریف ہیں۔ داغؔ کے شاگرد ہیں"[2] (ص ۲۲۳)

نمونۂ کلام۔

بہاؔر اجمیری بڑے پرگو شاعر تھے۔ انھوں نے بعد وفات اپنے کلام کا خاصا ذخیرہ چھوڑا تھا لیکن تقسیم ملک کے بعد اجمیر میں جو فرقہ وارانہ فساد ہوا۔ اس وقت کی لوٹ کھسوٹ میں تمام تلف ہو گیا۔

علاؤالدین خاں علاؔ اجمیری کو اپنے والد کے یہ اشعار یاد ہیں۔

بات دب جائے گی چرچا ہو کر — قتل پر میرے نہ گھبرائے گا
قتل میرا جو ہے منظور نظر — میرے ہی سر کی قسم کھائے گا
رات کو آپ جہاں جاتے ہیں — ہم جو کہہ دیں گے تو گھبرائے گا
ہے بہاؔر اک ہی فسوں گر عیار — اس کی باتوں میں نہ آئے گا

نیز "پیام یار" جنوری ۱۸۸۷ء میں ان کے یہ اشعار ملتے ہیں۔

تمہیں کیا تم برا کیوں مانتے ہو — شکایت ہے مجھے کچھ آسماں سے
حیا کیسی، کہاں کی شرم ہے وصل — اٹھا دیجئے یہ پردہ درمیاں سے
بہاؔر کہتے رہے وہ کیوں ہو مضطر — نہ نکلا ہائے کچھ میری زباں سے

تاریخ گوئی۔

بہاؔر اجمیری کو تاریخ گوئی میں بھی ایک خاص ملکہ حاصل تھا۔

(باقی صفحہ ۱۲ پر)

[1] نواب حاجی محمد خاں کا ذکر اپنے مضمون "داغؔ کے شاگرد نواب عبداللہ خاں مطلب اجمیری" مطبوعہ ہماری زبان ۲۲ اپریل ۱۹۶۶ء میں کر چکا ہوں۔ (سید فضل المتین)

[1] نواب عبداللہ خاں مطلب کے لیے ملاحظہ ہو میرا مضمون "داغؔ کے شاگرد نواب عبداللہ خاں مطلب اجمیری" مطبوعہ ہماری زبان ۲۲ اپریل ۱۹۶۶ء (سید فضل المتین)

[2] مکتوب انصار اللہ نظر بنام سید فضل المتین۔

حافظ عاشق ہرگانوی

مثنوی نل دمن ہندی

"ہماری زبان کے ۲۲ر جولائی ۶۵ء کے شمارہ میں جناب محمد سمیع اللہ صبر جدی نے نور محمد کامیاب صبر جدی کی کتاب "نل دمن ہندی" اندرا وتی" اور "انوراگ" کے بارے میں دریافت کیا ہے۔ "نل دمن ہندی" کا ایک مطبوعہ نسخہ ...... میرے پیش نظر ہے۔ یہ کتاب ۴۸ صفحے کی ہے۔ جلد میں اور صفحات تھے جو غائب ہیں۔ اس لیے نام مصنف، مطبع اور سنہ اشاعت وغیرہ کا پتہ نہیں چلتا ہے لیکن صفحہ ۲ کے حاشیہ پر "در سبب تالیف کتاب گوید" کے مطالعہ سے اور کتاب کے صفحہ نمبر ۲ پر نام کتاب "مثنوی نل دمن ہندی" ہونے سے قیاس گزرتا ہے کہ یہ کتاب نور محمد کی ہے؟ یہاں میں مختصراً تعارف پیش کر رہا ہوں تاکہ فیضی کے "نل دمن" سے ملایا جائے۔

صفحہ ۲ کے حاشیہ پر "در سبب تالیف کتاب گوید" ہے ؎

قلم سے کرکے اوّل وصف حق کا
لکھوں میں دل کا اسرار نہانی
کہ تھا از بس سخن سے ذوق مجھ کو
سدا تھا مثنوی سے شوق مجھ کو
جو دیکھا آج کل ہندی کا چرچا
ہوا دل ایک دن مشتاق اس کا
کہ عشق نل جو تھا عالم میں مشہور
کرے ہندی زباں میں اس کو مذکور

صفحہ ۴ کے حاشیہ پر "آغاز شورش جنون نل در خواب و بیان کردن ندیم حسن دمن از راہ چارہ گری" صفحہ ۸ تک ---- صفحہ ۹ کے حاشیہ پر "فریفتہ شدن نل غائبانہ بر جمال دلفریب دمن و پرسیدن از کیفیت مقام او از خاطر دلبا و بیان کردن ندیم سرگذشت او" صفحہ ۱۱ تک ---- صفحہ ۱۱ کے حاشیہ پر "مبتلا گشتن دمن در دام عشق نل در خواب و نصیحت کردن دایہ از شفقتی او" صفحہ ۱۶ تک ---- صفحہ ۱۷ کے حاشیہ پر "نامۂ دمن" صفحہ ۱۸ تک ---- صفحہ ۱۸ کے حاشیہ پر "رسیدن مرغ نزد دمن با نل و خبر یافتن پدر دمن از نامہ و پیغام و مقرر کردن ساعت شادی برائے رفع گرمی عشق" صفحہ ۱۹ تک ---- صفحہ ۱۹ کے حاشیہ پر "رفتن نل بشہر بیدر بملک دمن با امید وصال با ساز و حشمت و دست در آغوش عروس و اقبال کردن دمن با نل و باز آمدن نل بملک خود" صفحہ ۲۹ تک ---- صفحہ ۲۹ کے حاشیہ پر "گذاشتن نل دمن را در خواب بہ خیال گریہ و زاری کردن دمن بجدائی آں یار و جفائے روزگار" صفحہ ۳۰ تک ---- صفحہ ۳۱ سے حاشیہ پر "آوارگی نل بسیاہ بختی و سیاہ فام گشتن از گزیدن مار و رفتن بولایت دیگر از اشارہ او" صفحہ ۴۴ تک۔

شروع کتاب خدا کے حمد سے ہوتی ہے۔ صفحہ ۲ سے ۳ تک حمد ہے۔

پہلا شعر ؎

کروں پہلے ادا حمد خدا کو ۔۔۔ بنایا جس نے اس ارض و سما کو

صفحہ ۳ سے ۱۴ تک "دربیان توصیف ممالک ہندوستان و درج راجۂ نل اورنگ آرای ملک اوجین (؟)"

صفحہ ۱۴ سے ۱۵ تک "داستان"

صفحہ ۱۵ سے ۱۶ تک "نامۂ نل"

صفحہ ۱۶ سے ۲۳ تک "رسیدن مرغ در شہر بیدر بملک دمن و گذرانیدن نامۂ عاشق و نوشتن جواب نامۂ نل متضمن آشفتگی خود بانل۔"

صفحہ ۲۳ سے ۲۴ تک "شورش جنون نل در باختن ملک و مال بقریہ بجابازی حریف یعنی برادر خورد و گزیدن کوہ و دشت ہمراہ دمن۔"

صفحہ ۲۵ سے ۲۸ تک "انداختن نل دام پیرہن را بر مرغ و پرواز کردن مرغ با پیرہن و ماندن او در صحرای خار زار"

اور صفحہ ۴۸ پر "افزودن گلبرگ حیات نل و دمن از دست برد خزاں و ملطف نالہ شدن گلستان روزگار" کے عنوان کے تحت نل دمن کی کہانی بطور مثنوی بیان کی گئی ہے۔

"ہماری زبان" سے خط و کتابت کرتے وقت اپنے خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔

چراغِ سرِ رہ گذر

شکیب ایاز

اے چراغِ سرِ رہ گذر ٹھہر جا!
صبح تک ٹھہر جا!!
جبکہ بجھنے لگے چاند کی چاندنی، اور ستارے بھی کچھ ٹمٹمانے لگیں
جب سحر کے اجالوں کی نوری فضا
سانس لینے لگے گنگنانے لگے
اور کلیوں کے بندِ قبا ٹوٹ کر پھول کا اک حسیں خواب بنے لگے

اور جب زرد رو، مردہ دل گھاس پر
اوس کا قطرۂ زر فشاں جھلملانے لگے

جبکہ سورج، نسیم، صبا دم بہ دم
سازِ خوشبو پہ نغمے سنانے لگے
لوگ نیندوں کی وادی سے بیدار ہوں
اور دانہ گری کو چلیں کھیت میں

دھرتی دھرتی پہ جب
چاولوں کی یہ سیماب وش ڈھیریاں
پرتوِ مہر سے جگمگانے لگیں
اور کرنوں کی زریں نظر
زرد گیہوں کے سینے میں ناوک لگائے
اس طرح صبح کی انجمن

جب زمانے کو کیفِ بقا بخش دے
تو بھی سو جانا پھر
اے چراغِ سرِ رہ گذر ٹھہر جا!
صبح تک ٹھہر جا!!

پیاس بجھادو

عبدالرحیم نشتر

میرا تن ــــ؟
اک ریگزار ہے۔ اور ــــ
میں اک لمبی مدت سے کنکر کنکر بانٹ رہا ہوں
میرے سینے میں اک آگ کا پیڑ اُگا ہے۔
اور ــــ
میں اک لمبی مدت سے، اس کی شاخیں چھانٹ رہا ہوں۔
سنو ــــ!
اگر تم گہری ندی ہو تو میرے تن کی آگ بجھا دو
اور ــــ
میری پیاس بجھا دو۔

کوئی دوسری زبان مادری زبان کی جگہ نہیں لے سکتی

ممتاز ماہرِ نفسیات ڈاکٹر عبدالجلیل فریدی کی تقریر

میں آج آپ کے سامنے علمی اور نفسیاتی پہلو سے مادری زبان کا مسئلہ پیش کرنا چاہتا ہوں۔ جیسے جیسے میعادی بخار، چیچک، ملیریا اور ہیضہ جیسی بیماریاں کم ہوتی جا رہی ہیں، ایک نئے طرز کی بیماریوں کا زور ہوتا جا رہا ہے۔ ان بیماریوں کو نفسیاتی عوارض کہا جاتا ہے۔ ان کا تعلق انسان کی نفسیات سے ہے۔ ان بیماریوں پر آج کل بہت کام ہو رہا ہے۔ بہت سا میڈیکل لٹریچر ان کے متعلق تیار ہو چکا ہے۔ میں اسی کی بنا پر کہتا ہوں کہ اگر اردو زبان ختم ہو گئی تو ایک طرح کے انسان جن کی مادری زبان اردو ہے اور جو ہندوستان میں بستے ہیں، ان کی نسل بھی ختم ہو جائے گی۔

مادری زبان کا گہرا تعلق نفسیات سے ہے۔ انسان کا کردار مادری زبان بناتی ہے۔ ہر مخصوص زبان کے بولنے والے کی ایک انفرادیت ہوتی ہے جو اس کو اپنے تمدن، تہذیب، تاریخ، رسوم و رواج کی میراث سے ملتی ہے۔ یہ میراث ہر فرد کو اپنے باپ، دادا، پردادا اور گذشتہ نسلوں سے ملتی ہے اور یہ ترکہ صدیوں بعد اس کو ملتا ہے۔ کسی مادری زبان سے محرومی کے معنی یہ ہیں کہ ان ساری خوبیوں اور صفات کا خاتمہ ہو جائے۔ مادری زبان کے ذریعے اپنے تمدن کا انکشاف، اظہار اور تبلیغ دنیا کی روزمرہ زندگی کا مشاہدہ ہے۔

ہر انسان کی شخصیت کے دو اجزا ہوتے ہیں (۱) ایک مادی جس میں ظاہری شکل صورت، جسم شامل ہے اور (۲) دوسرا نفسیاتی جس میں وہ تمام اکتسابی خاصیتیں شامل ہیں جو ماں کے پیٹ سے لے کر آخر دم تک ایک انسان حاصل کرتا رہتا ہے۔ ان اکتسابی اجزا کے ساتھ شخصیت میں وراثت کا بھی جز ہوتا ہے۔ اکتسابی خاصیتوں کا تعلق مادری زبان سے ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ ماں بچہ کو نہلاتی دھلاتی ہے، اس سے باتیں کرتی ہے۔ آپ سمجھتے ہوں گے کہ بچہ کچھ نہیں سمجھتا لیکن بچے کے دماغ میں ماں کی باتوں کا نقش بنتا جاتا ہے۔ چیزوں کی تصویریں نقش ہوتی رہتی ہیں۔ ذرا آگے چل کر بچے کو خاندان کی روایت کے مطابق آداب و تہذیب سکھائی جاتی ہے۔ بچہ ماں سے جو قصے کہانیاں سنتا ہے، وہ بھی پشتہا پشت سے گذرے ہوئے روایات کا ایک حصہ ہوتی ہیں۔

ماں کی گود اور مادری زبان سے جو ذہن اور کردار بنتا ہے وہ چار پانچ سال کے اندر بن جاتا ہے۔ ورثے میں جو ملتا ہے وہ اسی زمانہ میں مل جاتا ہے۔ اس کے بعد کا زمانہ اکتساب کا ہے۔ اس میں بچے کو وہی تہذیب، تمدن اور آداب ملنے چاہئیں جو اس کے آبا و اجداد کے خصائص کو اس کے اندر مضبوط کر سکیں۔

آج جب ہمارے اردو داں بچے ہندی سیکھتے ہیں تو ان کو ایک نئی تہذیب و نئے ادب سے سابقہ پڑتا ہے۔ جو قصے کہانیاں وہ گھر میں سنتے تھے ان کی جگہ ان کو دوسرا [illegible] سنائی جاتی ہے۔ اس کے نتیجے میں بچے کے دماغ میں انتشار پیدا ہو جاتا ہے اور وہ شدید نفسیاتی بیماریوں کی زد میں آ جاتا ہے۔ یہ درست ہے کہ وہ اس کشمکش کو محسوس کر کے بتا نہیں پاتا مگر یہ ایک حقیقت ہے کہ وہ اس [illegible] نہیں ہوتا۔ اس بچے کے ذہن میں اب موروثی اور اکتسابی اجزا کا تصادم شروع ہو جاتا ہے۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا کہ اس نے گھر میں کیا سنا اور اسکول میں اس کو کیا بتایا جاتا ہے۔ اس کا اثر ہماری آج کی نسل پر پڑ رہا ہے۔ ہمارے نوجوان انتشار کا شکار ہیں۔ اس کی وجہ یہی ہے (........؟) مادری زبان کی جگہ ایک نئی زبان ان کو سکھائی جا رہی ہے۔ ([illegible] قند)

اردو شاعر اور ادیب آج بھی ہندی الفاظ کے اصل سرمایہ دار

فراق گورکھپوری کا تجزیہ

گورکھپور ۲۲ رجون مقامی مسیح پرسنٹ ہال میں کبیر کی شاعری سے متعلق ایک سیمینار میں تقریر کرتے ہوئے ممتاز شاعر فراق گورکھپوری نے کہا کہ کبیر اپنے دور کے نباض اور ایک انقلابی ذہن رکھنے والے شاعر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ انسان کے جسم کی طرح کبھی کبھی سماج بھی زہر آلود ہو جاتا ہے جس کا زہر زائل کرنا ہر صاحب فکر کا دیرینہ کام رہا ہے کبیر نے بھی اپنے سماج کی نباضی کی اور اس کے زہر کو اتارنے کی کوشش کی۔ اس کے لیے ان کو سماج کے مختلف عناصر پر نشتر زنی بھی کرنی پڑی۔ اس نشتر زنی میں وہ بے لاگ اور بے باک تھے اور انھوں نے سماجی برائیوں سے مصالحت یا رواداری کے بجائے عداوت و دشمنی کا رویہ اختیار کیا۔

سماج کے جو عناصر ان کی نشتر زنی کی زد پر آئے وہ اکثر مسلمات ہیں کہ جیسی ہی سماجی برائیاں منافع خوری، چور بازاری، بددیانتی، مذہبی شخصیت پرستی، روایت پرستی آج کے سماج میں بھی پائی جاتی ہیں بلکہ آج کی برائیوں میں ملاوٹ، سیاسی جوڑ توڑ، استحصال پسندی جیسی برائیوں کا اضافہ ہو گیا ہے یعنی ہمارا سماج بھی کبیر کے پرانے سماج کی طرح زہر آلود ہے اور اس کے لیے کبیر جیسے نباض کی ضرورت ہے کبیر سے ہمارا سماجی رشتہ یہی ہے۔

انھوں نے کہا کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک بیمار شخص بظاہر بالکل صحت مند لوگوں کی طرح چلتا پھرتا اور معمولات انجام دیتا ہے لیکن در اصل اس کے جسم کا زہریلا مادہ رفتہ رفتہ بڑھ کر اس کی ہلاکت کا موجب ہوتا ہے اور خود اس کو اس کا احساس نہیں ہوتا۔ اسی طرح ایک بگڑا ہوا سماج بھی اپنے زہریلے مادے کے ساتھ باقی تو رہتا ہے مگر دھیرے دھیرے ختم ہونے کے قریب ہو جاتا ہے۔

اس لیے کبیر نے اپنے سماج کی اصلاح کی طرف بھرپور توجہ کی اور اپنے خاص اسلوب اور زبان کی مدد سے سماج کے فاسد مادے کو زائل کرنے کی کوشش کی۔ کبیر کے اسی اصلاحی عمل کی ہمارے سماج کو بھی ضرورت ہے۔

فراق صاحب نے کبیر کی زبان اور اسلوب بیان کی خصوصیات پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ ہماری شاعری میں اگر کوئی کبیر سے قریب تر شاعر نظر آتا ہے تو وہ نظیر اکبر آبادی ہے بلکہ میری نظر میں کبیر نے نظیر اکبر آبادی کے روپ میں دوسرا جنم لیا ہے مثلاً

"سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا   جب لاد چلے گا بنجارا"

یہ ایسی بات ہے جو معلوم ہوتا ہے گویا کبیر ہی نے کہی ہے۔ ایک کوی ہندی شاعر کی اس دلچسپ فرمائش پر کہ فراق صاحب کھڑی بولی بقول خود دلی اور میرٹھ کی زبان میں شاعری کرنے کے بجائے گورکھپور کی زبان میں شاعری کریں، انھوں نے کہا کہ میں ادب اور شعر کے بیچ دیوار کا سبب نہیں سمجھتا اور در اصل گورکھپور کی زبان میں شاعری کرنے کا مقصد بھوجپوری زبان میں شاعری کرنا ہوگا جس کی الگ سے حیثیت ضرور ہے لیکن وہ اردو شاعری کا بدل نہیں۔ جواب دیتے ہوئے کہا آپ اس طرح کا کیا اعتراض کریں گے جو آپ نے ان متعلقہ سوالات کے جوابات خالص گورکھپوری زبان ہی میں چھوڑ دیے ہیں۔

انھوں نے کہا کہ شعر و ادب کے لیے ایسی دیواریں بےجا ہیں اور دلی لکھنؤ کی زبان میں شاعری کرنے کا مفہوم صرف اس قدر ہے کہ ہر زبان کی مرکزیت ہوتی ہے مثلاً انگلینڈ میں آئرلینڈ کی مقامی بولیوں میں کی ہوئی شاعری کی حیثیت اصل انگریزی شاعری سے الگ ہوگی۔

یہ مرکزیت زبان کے ارتقا میں حائل نہیں بلکہ زبان و ادب کی معیاریت کو برقرار رکھنے کی ضامن ہے۔

اردو زبان کے عہد بہ عہد ارتقا کا جائزہ لیتے ہوئے فراق صاحب نے اردو کی ہمہ گیری، جامعیت، رواداری اور معنویت پر مفصل اور مدلل روشنی ڈالتے ہوئے اکثر ایسے ہندی الفاظ کا حوالہ دیا جنھیں آج ہندی کے ادیب اور شاعر بے تکلف استعمال کرتے ہیں لیکن حقیقت سے بے خبر ہیں کہ دراصل یہ الفاظ کھڑی بولی کے ہیں اور مسلمانوں کی دین ہیں۔ اس ذیل میں انھوں نے متعدد مثالیں بھی زبان اور قواعد سے پیش کیں جن سے یہ بات واضح طور پر ثابت ہوتی تھی کہ ان الفاظ کا ماخذ کھڑی بولی یا اردو ہے اگرچہ ہندی کے شاعر اور ادیب اسے ہندی کے الفاظ کہہ کر ان پر تنہا اپنا حق جتاتے ہیں۔

فراق صاحب نے فارسی اور عربی قواعد کی مدد سے بنائے ہوئے صیغۂ جمع کے الفاظ اور متعدد مضامین سے مثالیں پیش کرتے ہوئے کہا کہ یہ الفاظ کسی بھی قدیم دور کے ہندی شاعر مثلاً سور، تلسی، میرا اور جائسی وغیرہ کے یہاں نہیں پائے جاتے بلکہ یہ خالص مسلمانوں کی دین اور کھڑی بولی کے ذریعہ ہم تک پہنچے ہیں۔

انھوں نے کہا کہ اردو زبان میں عربی اور فارسی کے قاعدے سے بنائے ہوئے جمع کے الفاظ کے استعمال سے اردو کو ہمیشہ دور نہیں کیا جا سکتا بلکہ اس کے برعکس اردو زبان نے ذاتی طور پر جمع کے متعدد الفاظ بنائے ہیں جنھیں استعمال کیے بغیر آج ہندی کی شاعری بھی ناممکن ہے۔ انھوں نے اردو و ہندی زبان کی ساخت کا دلچسپ اور خالص علمی انداز میں موازنہ کرتے ہوئے یہ بات کہی کہ آج اگر اردو شعر و ادب پر مشتمل پچیس جلدیں کسی اسکالر کے سپرد کی جائیں اور اس سے کہا جائے کہ ان کتابوں سے عربی اور فارسی کے الفاظ چن کر ایک فہرست مرتب کرے تو نتیجہ میں دیکھیں گے کہ استعمال شدہ الفاظ میں بہت بڑا حصہ ایسا ہے جو ہندی کا ہوگا اسی طرح اگر ہندی شعر و ادب کی پچیس جلدوں سے سنسکرت کے الفاظ کی ایک فہرست مرتب کی جائے تو بچے ہوئے ہندی الفاظ کی تعداد سنسکرت الفاظ کے مقابلہ میں بہت کم ہوگی اور مزید یہ کہ اردو شاعری کے بچے ہوئے ہندی الفاظ کی تعداد ہندی شاعری کے بچے ہوئے ہندی الفاظ سے پانچ گنا زیادہ ہوگی گویا ہندی الفاظ کے اصل سرمایہ دار آج بھی اردو کے شاعر اور ادیب ہیں مگر دعویٰ ہندی کے شعرا کرتے ہیں۔ یہ دلچسپ موازنہ ایسا بے لاگ اور دو ٹوک تھا کہ خود ہندی کے شاعر و ادیب جو جلسہ میں موجود تھے زبان حال سے اس کے قائل نظر آئے۔ فراق صاحب نے اردو زبان کے جامع لغت کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ اس میں کم و بیش ۸۰ ہزار الفاظ ہیں جن میں تقریباً سات ہزار الفاظ فارسی کے اور تقریباً چار پانچ ہزار الفاظ عربی کے ہیں۔ فارسی الفاظ کے صرف تقریباً چار ہزار الفاظ اردو شعر و ادب میں مستعمل ہیں اور باقی محض [illegible] بکام آنے والے ہیں اسی طرح عربی الفاظ کے نصف سے زائد کا جو حصہ اردو شعر و ادب میں مستعمل ہے وہ بھی محض سند کے طور پر کام آتے ہیں اس طرح گویا اردو زبان کی شاعری بیشتر ہندی الفاظ ہی کے ذریعہ ہوتی ہے اس لیے اردو کو ہندی کا حریف کہنا انصاف کا قرینہ نہیں۔ آخر میں انھوں نے اس بات کا اعتراف کیا کہ اردو شعر و ادب کا مزاج بھی تبدیل ہو رہا ہے اور یہ تبدیلی ہو بھی رہی ہے۔ ہندوستان سے زیادہ پاکستان میں یہ مزاجی تبدیلی عمل میں آ رہی ہے۔

(قومی آواز)

مراسلات

فانی بدایونی سے متعلق ایک واقعہ کی حقیقت

(خاور جمیل پوری صاحب نے فانی بدایونی سے متعلق ایک واقعہ کے سلسلے میں مراسلہ بھیجا تھا۔ اس مراسلے کی نقل ہم نے جناب بیکس اکبرآبادی صاحب کے پاس اس غرض سے بھیجی کہ وہ اس واقعہ سے متعلق اپنی معلومات اور تاثرات کا اظہار کریں۔ خاور صاحب کا مراسلہ اور بیکس صاحب کا جواب درج ذیل ہے۔) (ادارہ "ہماری زبان")

(۱)

عام طور پر ہر مشہور ادیب یا شاعر سے متعلق کوئی رومانی روایت مستند ذریعہ سے سنی جاتی ہے لیکن اس کا ثبوت اس ادیب یا شاعر کی مطبوعہ سوانح حیات سے نہیں ملتا۔ اور بعض مخصوص حضرات بھی اس سے واقف ہوتے ہیں۔ اسی سلسلہ میں فانی بدایونی کا ایک واقعہ بڑی شد و مد سے بیان کیا جاتا ہے کہ انھیں آگرہ کی کسی شاہد بازاری سے محبت ہو گئی تھی جو کافی متمول بھی تھی اور فانی صاحب کو دل و جان سے چاہتی تھی۔

جب فانی صاحب نے اس سے رشتہ قائم کرنے کی درخواست کی تو اس نے جواب دیا کہ ابھی آپ کی تعلیم نامکمل ہے اگر میں آپ سے شادی کروں تو مجھے بیسیوں کریبٹ بھرنا پڑے گا اس لیے آپ کچھ دن اور پڑھیے جس سے اچھی ملازمت مل جائے تو میں آپ کی فرمائش پوری کر سکتی ہوں۔

اس نے فانی صاحب کی تعلیم کے مصارف برداشت کیے اور جب وہ ایل۔ ایل۔ بی۔ پاس کر چکے تو ان دونوں کا عقد ہو گیا۔ لیکن برات گھر واپس آ جانے پر جب فانی صاحب نے اسے ڈولے سے اتارنا چاہا تو شادیٔ مرگ کا منظر سامنے تھا۔

کیا یہ واقعہ ہے اگر ہے تو کس قدر صحیح اور اگر محض افسانہ ہے تو اس کا بنیادی عنصر کیا ہے؟

جناب فانی کے ذاتی حالات سے واقف کار حضرات خصوصاً جناب بیکس صاحب اکبرآبادی سے درخواست ہے کہ وہ اس واقعہ یا افسانے کی صحت یا عدم صحت کی توضیح فرمائیں۔ (خاور جمیل پوری)

(۲)

آپ کے مراسلے ۲۶۔ Ref کے جواب میں عرض ہے کہ فانی صاحب کے متعلق اس قسم کے غلط واقعات کی شہرت بھی معلوم نہیں یہ ابتدا کیوں اور کیسے ہوئی۔

فانی صاحب آگرے ۲۲ء کے بعد تشریف لائے ہیں۔ وہ فرماتے تھے کہ میں نے ایل۔ ایل۔ بی ۱۹۰۱ء میں پاس کیا تھا۔ آگرے ان کا قیام تقریباً دس سال رہا جب وہ آگرے میں اپنی پریکٹس کے لیے مواقع کی تلاش میں پہلی مرتبہ تشریف لائے ہیں تو ان کے ایک شناسا ان کو میرے یہاں لے آئے تھے اور اس روز سے آخر قیام تک خلا و ملا جلوت و خلوت میں میرا ان کا ساتھ رہا۔ عمر کے اعتبار سے میں ان کے صاحبزادے فیروز صاحب سے بھی کم تھا مگر انھوں نے مجھے کبھی یہ محسوس نہ ہونے دیا کہ وہ عمر میں یا مرتبۂ شاعری میں مجھ سے بڑے ہیں۔ فانی صاحب زیادہ بے تکلفی کا موقع کسی کو بھی نہیں دیتے تھے اور مزاج میں بھی رکھ رکھاؤ اور ایک سنجیدگی اور کم آمیزی کا انداز قائم رہتا تھا۔ آگرے میں کئی طوائفوں سے مختلف اوقات میں ان کا تعارف ہوا لیکن وہ محفل اور جلوت تک محدود رہا۔ ایک طوائف سے جو ان کی غزلیں خصوصیت سے گاتی تھی اور بہت اچھی گانے والی تھی ان کی کئی ملاقاتیں ہوئیں مگر اس کے مکان پر نہیں۔ ایک بار انھوں نے اس کے مکان پر جانا بھی چاہا مگر ان کی ہمت نہ ہوئی۔

فانی صاحب کے متعلق مجھ سے ایک صاحب نے کہا کہ اٹاوے کے دوران قیام میں وہ ایک طوائف کے پیچھے "کے ساتھ بھاگ گئے" ہوئے اٹاوے سے فیروزآباد پہنچ گئے۔ اٹاوے میں ایک طوائف ہے جو یہ کہتی ہے کہ فانی صاحب سے اس سے تعلق رہا ہے۔ یہ بات ناممکن تو نہیں ہے مگر اس بارے میں کسی طوائف کے قول کو میں معتبر نہیں سمجھتا ہوں یہ لوگ تجارتی طور پر نامور اور مشہور آدمیوں سے اپنے کو متعلق کرتی ہیں۔ یہ میرا بارہا کا تجربہ ہے کہ وہ بالکل غلط ہوتا ہے۔ جس واقعہ کے متعلق کہ آپ نے دریافت فرمایا ہے یہ تو داستان امیر حمزہ اور طلسم ہوش ربا سے زیادہ نہیں ہے۔ آگرے میں فانی صاحب تقریباً بڈھے ہو کر آئے تھے اور ان کی صحبت یہاں کے اعلیٰ ترین سوسائٹی کے لوگوں سے تھی، وہ عام شہرت سے بھی مانوس تر ہوئے۔ کاش مراسلہ نگار صاحب اپنے علم کا ماخذ تفصیل سے بیان کر دیتے تو اچھا تھا۔ بہرحال اگر بالفرض یہ واقعہ کچھ تو ۱۹۰۱ء سے پہلے کا ہو سکتا ہے لیکن فانی صاحب کا معمولی جاننے والا بھی اس کا یقین نہیں کر سکتا۔ (بیکس اکبرآبادی)

رسالہ "اردوئے معلیٰ" کا مندرجہ ذیل شمارہ درکار ہے

مجھے ایک تحقیقی مقالہ کے سلسلہ میں مولانا حسرت موہانی کے زیر ادارت نکلنے والے رسالہ "اردوئے معلیٰ" جلد (۱۲) شمارہ (۳) بابت ستمبر ۱۹۱۲ء کی ضرورت ہے۔ اگر کسی صاحب کے پاس یہ رسالہ ہو اور وہ اسے فروخت کرنا چاہیں، یا اس کی نقل عنایت فرما کر اس تحقیق میں مدد فرمائیں تو مہربانی ہوگی۔ براہ کرم ذیل کے پتہ پر مطلع فرمائیں۔

مسعود شرف ذبیح
۱۰-۲-۳۰۰
بیرون یعقوب پورہ۔ حیدرآباد۔ ۲۲ (آندھرا)

الف کا اضافہ

غالباً اردو گرامر کا یہ ایک قاعدہ ہے کہ انگریزی زبان کا اسم (Noun) اگر S سے شروع ہوتا ہے اور اس کے فوراً بعد کا حرف متحرک ہو تو اس لفظ سے پہلے الف لگا دینے سے وہ لفظ اردو کا بن جاتا ہے۔ مثلاً سپورٹ سے اسپورٹ، سکول سے اسکول، سٹیشن سے اسٹیشن وغیرہ۔

سوال یہ ہے کہ انگریزی کے ایسے لفظوں کو جوں کا توں کیوں نہ رہنے دیا جائے۔ آخر سکول کو سکول اور سٹیشن کو سٹیشن کہنے میں کیا قباحت

ہے؟ ایسا نظر آتا ہے کہ مندرجہ بالا اردو گرامر کا قاعدہ ہندوستان کے کچھ علاقوں میں تلفظ کی دشواری کے پیش نظر گھڑ لیا گیا تھا۔ ہمارے کچھ بھائی سکول کو سکول بول ہی نہیں سکتے۔ ان کے منہ سے ہمیشہ اسکول نکلے گا۔ گرامر کا یہ اصول انگریزی اسموں کے لیے ہے لیکن جب یہ لوگ سپیک کو اسپیک سٹینڈ کو اسٹینڈ اور سٹارٹ کو اسٹارٹ بولتے ہیں تو کسی قاعدے کی رو سے نہیں بلکہ اس لیے کہ وہ صحیح تلفظ ادا کر ہی نہیں سکتے۔ یہ لوگ تو جب انگریزی میں بھی بولتے ہیں تو ایسے لفظوں کے ساتھ الف غیر شعوری طور پر جوڑ لیتے ہیں۔ ان کی زبان کی نوک سے کیوں صحیح تلفظ نہیں نکلتا، اس کی کھوج تو کوئی phonetics کا ماہر ہی لگا سکتا ہے۔ مجھے تو صرف اتنا ہی کہنا ہے کہ ہمیں اس قاعدے کو خیرباد کہہ دینا چاہیے اور وہ انگریزی لفظ جو عام زندگی میں داخل ہو چکے ہیں انھیں بگاڑ کر یا بھونڈا بنا کر بولنے کی بجائے جوں کا توں اپنانا چاہیے۔ اور ہمارے وہ بھائی جنھیں صحیح طور پر بولنے میں مشکل پیش آتی ہے اگر اپنی زبانوں کو ٹریننگ دیں تو یہ مشکل حل ہو سکتی ہے۔

(چندر پرکاش شاد)

ریڈیو کا نیا اردو پروگرام

مہاراشٹر کے اردو اخبارات میں ریڈیو کے نئے پروگرام کی خبر شائع ہوئی تھی۔ قارئین دسنوی صاحب کی نظر سے نہیں گزری ہوگی۔ موصوف نے جن دو باتوں کی جانب توجہ دلائی ہے وہ یقیناً قابل تعریف ہیں۔ مگر مشاعروں، شاعروں اور فنکاروں کے انتخاب میں انصاف سے کام لیا جانا چاہیے یہ انتخاب گروپ بندی کا شکار نہ ہو جائے جیسے آج ہمارے آل انڈیا مشاعرے اور رسالے ہیں۔ ملک کے طول و عرض میں بے شمار ایسے فنکار ہیں جن کی تخلیقات گروپ بندی کی بھاری سل کے نیچے دم توڑ رہی ہیں۔ ارباب اقتدار کو پوری وسعت نظری سے کام لینا چاہیے اور جلیل القدر فنکاروں اور تخلیق کاروں سے اردو والوں کو متعارف کرانا چاہیے۔

حکومت کے اس مبارک قدم پر ہم بھی مبارک باد دیتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ وہ اسی طرح اور بھی قابل صد مبارکباد اقدامات کرے گی اور جمہوریت اور آئین ہند کی لاج رکھے گی۔

کس منہ سے شکر کیجیے اس لطف خاص کا

(مومن یوسف حسن سکریٹری انجمن ترقی اردو شاخ بھیونڈی)

سیل اور سیلاب

مکرمی ... صاحب نے ہماری زبان ۲۲ مئی میں شبہ ظاہر فرمایا ہے کہ سیلاب خون، سیلاب نور وغیرہ ترکیب درست نہیں:

مکرمی چونکہ انھوں نے سیلاب کو (سیل + آب) کا مرکب بتا کر اپنا شک ظاہر کیا ہے۔ حالانکہ سیلاب بھی سیل ہی کی طرح مفرد حیثیت رکھتا ہے۔ دونوں ایک معنی رکھتے ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ سیل عربی زبان کا ہے جس کی جمع سیول آتی ہے اور سیلاب فارسی کا۔

جس طرح سیل کو اضافی طور پر استعمال کیا جاتا ہے اسی طرح سیلاب کو بھی۔ ضروری نہیں کہ صرف پانی کے بہاؤ کو سیلاب کہا جائے۔ خون کا بہاؤ، شراب کا بہاؤ یا کسی دوسری بہنے والی شے کا بہاؤ جو سیلاب ہر جگہ استعمال ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے سیلاب نور، سیلاب تخیل وغیرہ ترکیب درست ہیں۔ مثالیں ملاحظہ ہوں۔

حافظ شیرازی ؎

دوش از رخ او دیدم از چشمہ چشم
سیلاب سرشک آمد و طوفان بلا رفت

امیر خسرو ؎

خونابہ چناں زدیدہ ہر سوئے سبیل
کز مقلس بہ برون ننگرد سیل

صاحب منتخب اللغات نے صاف لکھا ہے کہ (سیلاب) بالفتح آب بسیار کہ روان باشد و روان شدن آب و خون و جز آں۔

اسی طرح صاحب غیاث اللغات کا ارشاد ہے کہ (سیلاب) بیای مجہول بمعنی سیل، از مؤید و صاحب برہان نوشتہ کہ بالفتح است نہ بکسر و ہمیں صحیح است۔

(سیل) جاری شدن آب و خون وغیرہ از برہان و رشیدی و سراج

و سراج اللغات سے بھی واضح ہوتا ہے کہ سیلاب مفرد حیثیت رکھتا ہے اور سیل کے ہم معنی ہے۔ مزید یہ کہ اس کی تخصیص پانی ہی کے لیے نہیں خون اور دوسری اسی قسم کی چیزوں کے لیے بھی مستعمل ہے۔

اساتذہ اردو و فارسی اسی اصول پر کاربند ہیں اور عام بول چال کا بھی یہی تقاضا ہے۔ چنانچہ سودا فرماتے ہیں ؎

موج آتش ہے سیل آنکھوں کی — شاید اس دل کا آبلہ پھوٹا

امیر مینائی کا ارشاد ہے ؎

عاجزوں پر ہے جو سایا تیز تری بنا غضب — وادی پست میں سیلاب رواں ہوتا ہے

(رتن پنڈوروی۔ سری ہرگوبند پور)

انجمن ترقی اردو لکھنؤ کی مجلس عاملہ کا جلسہ

انجمن ترقی اردو لکھنؤ کی مجلس عاملہ کا جلسہ جناب وحید الرحمٰن عرفانی صاحب کی صدارت میں ہوا۔ جلسے میں مرکزی انجمن کی ہدایت کے بموجب مقامی انجمن کے انتخابات پر غور کیا گیا۔ سکریٹری نے اپنی رپورٹ پیش کی، اور مختلف ادبی انجمنوں کے تعاون پر روشنی ڈالی۔ لکھنؤ میں داخلہ مہم کے سلسلے میں ایک سب کمیٹی بنا دی گئی جو طلبہ اور ان کے سرپرستوں سے براہ راست رابطہ قائم کرے گی اور کارپوریشن کے اسکولوں نیز دوسرے تعلیمی اداروں میں اردو طلبہ کا جائزہ لے گی اس کمیٹی کا یہ کام بھی ہوگا کہ وہ لکھنؤ میں ایسے اداروں کی تعداد معلوم کرے جہاں اردو صرف زبان کی حیثیت سے پڑھائی جاتی ہے۔ کمیٹی میں جناب وحید الرحمٰن عرفانی، جناب فدا حسین اور جناب سکریٹری شامل ہیں۔ شہر کو حلقہ وار تقسیم کر کے اراکین انجمن کو ذمہ دار بنایا گیا کہ وہ اپنے اپنے حلقوں کے اسکولوں میں اردو طلبہ کے لیے ہر قسم کی رہنمائی کریں۔

جلسے میں ان تمام ادبی انجمنوں کا شکریہ ادا کیا گیا جنھوں نے انجمن ترقی اردو لکھنؤ کو اپنے تعاون کا یقین دلایا۔ خصوصاً یو. پی. اسٹوڈنٹس فیڈریشن، انجمن ترقی ادب، اور انجمن ادب اطفال وغیرہ۔ ایک تجویز کے ذریعے اردو کی تمام انجمنوں اور ہمدردوں سے اپیل کی گئی کہ وہ اردو داخلہ مہم میں عملی طور پر حصہ لیں اور اپنے اپنے حلقوں کے تعلیمی اداروں میں طلبہ کے داخلے کی پوری پوری کوشش کریں۔

ایک دوسری تجویز میں صدر آل انڈیا میرا کیڈمی جناب مقبول احمد لاری صاحب کو ہدیۂ مبارکباد پیش کی گئی کہ انھوں نے میر پر تحقیقی کام کرنے کے لیے تین سو روپے کا وظیفہ دو سال تک دینے کا اعلان کیا ہے اور اس سے اردو دنیا میں قابل تقلید مثال پیش کی ہے۔

آخری تجویز علامہ نیاز فتح پوری کی موت پر اظہار غم کیا گیا تجویز کے الفاظ یہ ہیں "انجمن ترقی اردو لکھنؤ کا یہ جلسہ اردو کے مایۂ ناز صاحب طرز ادیب علامہ نیاز فتح پوری کے انتقال پر اپنے دلی رنج و غم کا اظہار کرتا ہے۔ مرحوم نے رسالہ نگار اور اپنی تصانیف کے ذریعے اردو ادب کے سرمایہ میں گرانقدر اضافہ کیا۔ مرحوم کی ادبی خدمات پر اردو جتنا بھی فخر کرے کم ہے۔ مرحوم کی موت سے اردو ادب کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا۔"

(محمد اسلم جوائنٹ سکریٹری)

انجمن ترقی اردو شاخ برہانپور کا نیا انتخاب

۲۶ جون ۱۹۶۶ء کو شب میں ساڑھے نو بجے جنتا لائبریری ہال میں مشہور قومی رہنما محترم جناب حاجی صلاح الدین صاحب وائس پریسیڈنٹ نگرپالیکا برہانپور کی صدارت میں مقامی انجمن ترقی اردو کا نیا انتخاب اتفاق رائے سے عمل میں آیا، اور ۲۷ جون ۶۶ء کو بذریعہ رجسٹری انتخاب کی مکمل تفصیل معہ چیدہ فیس ریاستی انجمن ترقی اردو بھوپال روانہ کر دی گئی۔ انتخاب کی تفصیل یہ ہے

صدر انجمن: محترم مولانا حفیظ الرحمٰن انصاری صاحب پرنسپل ممبر

نائبین صدر: (۱) جناب شاہ محمد انصاری ایم. اے (۲) جناب اقبال حسین صاحب ایم. اے

خازن: محترم حاجی صلاح الدین صاحب وائس پریسیڈنٹ نگرپالیکا برہانپور

جنرل سکریٹری: اقبال نعیب

جوائنٹ سکریٹری: (۱) سید عزیز الدین عزیز (۲) حافظ محمد صاحب ادیب

پروپیگنڈہ سکریٹری: محمد اظہر

مجلس منتظمہ: جناب دیوی لال کھنہ جی وکیل حشمت اللہ انصاری، عزیز الرحمٰن آزاد بی اے بی ایڈ، اختر پرویز صاحب، حبیب محمد خاں بی اے بی ایڈ، مخدوم جابر بی اے بی ایڈ، اقبال احمد بی اے، نعمت انصاری اور ثناء ساجد سراج احمد

(اقبال نعیب جنرل سکریٹری)

انجمن تعمیر اردو دلّی کی ادبی سرگرمیوں کا خلاصہ!

دلّی ۲۰ جون۔ ۲۴ اپریل کو انجمن تعمیر اردو دلّی کے جنرل سکریٹری پنڈت آنند موہن زتشی گلزار دہلوی، کلکتہ، بمبئی، مدراس و میسور کے ادبی و تہذیبی دورے پر گئے تھے اور تقریباً ڈیڑھ ماہ کی ادبی سیر و سیاحت اور علمی رابطہ قائم کرنے کے بعد ۱۲ جون کو دلّی واپس تشریف لے آئے۔ جملہ مقامات پر علمی و ادبی شخصیتوں، اردو کی ادبی انجمنوں، تعلیمی اداروں اور اخبارات و رسائل سے ارتباط و ملاقات کے ساتھ ساتھ جلسوں، مشاعروں اور اردو کے تحفظ و بقا کے مسئلہ پر بنیادی نوعیت کے اجتماعات میں شرکت کی اور متعدد تقریریں کیں۔ اس اثنا میں دلی میں انجمن تعمیر اردو کی ہفتہ وار ادبی و تنقیدی نشستیں اردو نا بالغ اردو بازار جامع مسجد دہلی میں باقاعدہ منعقد ہوتی رہیں۔

گزشتہ اتوار ۱۹ جون کو گلزار دہلوی سکریٹری انجمن خود بھی دلّی واپسی ہونے پر شریک ہوئے۔ جلسہ کی صدارت حضرت بسمل سعیدی ٹونکی صاحب نے فرمائی۔ تقریباً تیس ادیب اور شاعر اور کوئی تیس ہی دیگر اردو دوست ادب نواز سامعین شریک جلسہ تھے۔ ابتدا میں جناب گلزار دہلوی سکریٹری انجمن نے مولانا نیاز فتح پوری کی ساٹھ سالہ ادبی خدمات صحافت، انشا پردازی اور تنقید نگاری میں ان کی خدمات اور طویل زندگی تک بے تحاشہ اردو لکھنے کے امتیاز پر خصوصی روشنی ڈالی، اور ایک تعزیتی تجویز میں نیاز فتح پوری صاحب، جناب مصطفےٰ خاں جوہر ٹونکی مرحوم اور سورج کنول سرور صاحب کی اموات اور ادبی خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے انجمن کی جانب سے انھیں خراج عقیدت پیش کیا۔ تعزیتی تجویز بالاتفاق رائے منظور کی گئی، اور جوہر صاحب و سرور صاحب کی زندگی و فن پر کافی تبصرہ کیا گیا۔ حضرت بسمل سعیدی صاحب نے جوہر ٹونکی صاحب کے لیے ایک قطعہ پڑھا۔ بعد ازاں دور شعر و شاعری ہوا جس میں صدر جلسہ حضرت بسمل سعیدی، گلزار زتشی دہلوی، کرشن موہن، ڈاکٹر انجم پرویز، جوہر وارثی، زبیر رضوی، مولوی علیم اختر، جناب پریم پال اشک، مولوی تسخیر فہمی، لطفی سکندرآبادی، فلک دہلوی، اکبر صدیقی و عاشق دہلوی حضرات نے اپنا پسندیدہ منتخب اور تازہ کلام سنایا۔ جس کے بعد نشست بخیر و خوبی برخاست ہوئی۔

(ریاض صدیقی نائب ناظم اشاعت)

کھام گاؤں میں مشاعرہ

انجمن ترقی اردو (ہند) شاخ کھام گاؤں کے زیر اہتمام ۲۴ مئی ۶۶ء

کوکھام گاؤں میں ایک عظیم الشان کامیاب اور یادگار آل انڈیا طرحی مشاعرہ پروفیسر خلیل الہدیٰ شارق امراؤتی کی زیر صدارت منعقد ہوا۔ محترم پرنسپل حفیظ اللہ خان صاحب تہور نے مشاعرہ کا افتتاح کرتے ہوئے اردو کے فروغ کے لیے جد و جہد کرنے پر زور دیا۔ انھوں نے اراکین مشاعرہ کی کوششوں کو بے حد سراہا اور کافی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے پوری معاونت کا یقین دلایا۔ مشاعرہ میں قریب و دور کے مشہور شعراء کرام کے علاوہ معزز شخصیتیں شامل تھیں۔

اراکین مشاعرہ نے بمبئی، پونا، جالنہ، حیدرآباد کے بڑے شاعروں کو بھی مدعو کیا گیا تھا لیکن وہ شریک نہ ہو سکے۔

مشاعرے کی اناؤنسنگ کے فرائض یسین کھام گانوی سکریٹری انجمن نے بحسن و خوبی انجام دیئے۔ آخر میں یسین کھام گانوی نے سامعین مہمانوں کا شکریہ ادا کیا۔

(سید یسین اللہ شاہ یسین سکریٹری انجمن ترقی اردو)

تعلیمی کمیشن کی زبان سے متعلق اہم سفارشات

نئی دہلی ۲۹ جون۔ تعلیمی کمیشن نے ایک وسیع اور مربوط رخ اختیار کرتے ہوئے کئی اہم سفارشیں کی ہیں اور کہا ہے کہ ہندوستان کے تعلیمی نظام کی از سر نو تعمیر ہو تاکہ تقریباً ایک انقلاب لانے کی ضرورت ہے۔

زبان سے متعلق اہم سفارشات اس میں شامل ہیں۔ مسٹر چھاگلا نے بتایا کہ اہم ترین سفارش سہ لسانی فارمولہ کے متعلق ہے کمیشن کی رائے میں سہ فارمولا ترمیم شدہ شکل میں اس طرح ہونا چاہیے۔

(۱) مادری زبان یا علاقائی زبان

(۲) مرکزی سرکاری زبان یا معاون سرکاری زبان (انگریزی یا ہندی)

(۳) کوئی جدید ہندوستانی یا یوروپین زبان جو نہ تو (۱) اور (۲) کے تحت آتی ہو اور نہ ہی ذریعہ تعلیم کی زبان ہو۔

ہندی کے مطالعہ کے بارے میں کمیشن کی سفارش ہے کہ ایک ملک گیر رضاکارانہ پروگرام شروع کیا جائے جس میں نا رضامند لوگوں پر کوئی جبر نہ کیا جائے۔

چھاگلا نے کہا کہ زبان سے متعلق سفارش کے ظاہر ہے سیاسی اثرات ہوتے ہیں ہمیں اس پر سنجیدگی کے ساتھ غور کر کے فیصلہ کرنا ہوگا کہ کیا اسے عملی جامہ پہنانا ہوگا تعلیمی اعتبار سے کیا رہے گا اور اس کے سیاسی اثرات کیا پڑیں گے۔

یونیورسٹی کی منزلوں پر کمیشن نے سفارش کی ہے کہ دس سال کے عرصہ میں تبدیلی کر کے علاقائی زبانوں کو ذریعہ تعلیم بنا دیا جائے لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی کہا ہے کہ کل ہند حیثیت کی بڑی بڑی یونیورسٹیوں میں انگریزی ذریعہ تعلیم رہنا چاہیے۔ (ریاست)

جموں و کشمیر یونیورسٹی میں اردو کی تعلیم

جموں و کشمیر یونیورسٹی میں اردو کی تعلیم و تدریس کا انتظام پوسٹ گریجویٹ کے شعبہ کے علاوہ پری یونیورسٹی اور سہ سالہ بی۔اے تک مختلف کالجوں میں بھی ہے۔ کالجوں کی تعداد جموں اور کشمیر کو ملا کر سولہ کے قریب ہے جہاں اور مضامین کے ساتھ اردو بھی پڑھائی جاتی ہے۔ اردو اختیاری مضمون ہونے کے علاوہ کئی مضامین کے لیے ذریعہ تعلیم کی زبان کی حیثیت بھی رکھتی ہے۔

مختلف کالجوں میں پری یونیورسٹی میں اردو طالب علموں کی تعداد ایک ہزار یا بارہ سو اور تین سالہ ڈگری کورس کی مختلف جماعتوں میں ایک ہزار کے قریب ہو جاتی ہے ہر کالج میں اردو کی تدریس کے لیے ایک یا دو اساتذہ موجود ہیں جن میں لیکچرار کے علاوہ سینئر لیکچرار بھی شامل ہیں جو کالج میں پروفیسر کے عہدہ سے موسوم ہے۔

پوسٹ گریجویٹ تعلیم و تدریس کے پچھلے سال دو ڈویژن بنائے گئے ہیں ایک کشمیر ڈویژن اور ایک جموں ڈویژن۔ کشمیر ڈویژن میں طلبہ کی تعداد پچھلے دو سال میں ترقی کر کے ایم۔اے پریویس اور ایم۔اے فائنل ہر جماعت میں بارہ یا چودہ تک پہنچ گئی ہے دو سال ہوئے اردو میں پی ایچ ڈی کی تحقیقات کا کام شروع ہوا اور اس وقت دس اسکالر مختلف موضوعات پر تحقیقی کام میں مصروف ہیں۔

شعبۂ اردو اور فارسی سے ایک ادبی مجلہ ادبیات بھی شائع ہوتا ہے جو اساتذہ اور تحقیق کرنے والے طلبہ کے مقالوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ پروفیسر رحمان راہی لیکچرار فارسی اس کے مدیر ہیں۔ (الجمعیۃ)

حیدرآباد میں ایک یادگار ادبی محفل

حیدرآباد کے ادیبوں اور شاعروں کی جانب سے پچھلے ہفتہ اردو ہال حیدرآباد میں ایک استقبالیہ تقریب ڈاکٹر عبد الحفیظ قتیل ریڈر شعبہ اردو جامعہ عثمانیہ کی صدارت میں منعقد ہوئی جس میں ڈاکٹر سید محمد عقیل رضوی (الہ آباد یونیورسٹی)، جناب جاوید وششٹ (دلی یونیورسٹی) اور کشمیر کے عوامی شاعر اور رہنما عبد الستار رنجور کا خیر مقدم کیا گیا۔ جناب مخدوم محی الدین صاحب نے مہمانوں کا تعارف کرایا اور ان کی تخلیقات اور فن پر روشنی ڈالی۔ اس کے بعد مہمانوں نے تقریریں کیں۔

ڈاکٹر سید محمد عقیل رضوی نے اپنی تقریر میں حیدرآباد کے اہل علم کی ادب شناسی اور ادب نوازی کی تعریف کرتے ہوئے کہا کہ انھیں اپنی ریسرچ کے سلسلے میں جو مدد اہالیان حیدرآباد سے ملی ہے وہ ان کی ادب نوازی کی بہترین مثال ہے۔ ایک اور جلسے کا حوالہ دیتے ہوئے بتلایا کہ یہاں بھی نئی اور پرانی نسل کا سوال کسی نہ کسی طرح پیدا ہو گیا ہے مگر ہمیں یہ بات نہ بھولنا چاہیے کہ ادب در اصل کسی کی میراث نہیں ہے جو بہت بہتر سے بہتر تخلیق پیش کرے گا اسے بقائے دوام حاصل ہوگا۔ اس لیے کسی کے ماننے اور انکار کرنے سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔

جناب جاوید وششٹ نے اپنی تقریر میں جو کام وہ ملا وجہی پر کر رہے ہیں اس کی دقتوں اور مشکلوں کا ذکر کیا۔ انھوں نے فرمایا کہ مجھے سب رس کے تقریباً (۱۴) نسخے دستیاب ہو چکے ہیں اور میرا ارادہ ہے کہ ان مختلف

فنون کے موازنے سے اس کتاب کو ترتیب دینے کی کوشش کروں گا۔ انھوں نے مزید کہا کہ اب تک تو وہ دکنی کی مختلف تخلیقات سے تقریباً (۸) ہزار الفاظ ایسے منتخب کر چکے ہیں جن کے معنی مروجہ لغات میں نہیں ملتے۔ آخر میں انھوں نے پروفیسر ہارون خاں شروانی صاحب کی اس رائے سے اتفاق کرتے ہوئے بتایا کہ بھاگ متی کا کوئی وجود نہیں تھا ورنہ قلی قطب شاہ اپنی کسی نظم یا غزل میں اس کا ذکر ضرور کرتے۔

جناب عبدالستار دلجو کاشمیری نے اپنی تقریر میں کشمیری زبان ادب پر روشنی ڈالتے ہوئے زبان کی ساخت، رسم خط کی مختلف ادوار میں تبدیلیوں اور زین العابدین بڈشاہ کی کوششیں حبہ خاتون کی شاعری کا احاطہ کیا۔ انھوں نے یہ بھی فرمایا کہ کشمیری زبان میں الف لیلیٰ، داستان امیر حمزہ اور بہت سی پرانی کتابیں کلچرل اکیڈیمی کو حاصل ہوگئی ہیں اور انھیں منظر عام پر لایا جا رہا ہے۔ آخر میں انھوں نے غنی کاشمیری اور مہجور سے لے کر خود اپنے کلام کا جائزہ لیا۔

جناب صدر ڈاکٹر حفیظ قتیل صاحب نے اپنی صدارتی تقریر میں اس بات پر خوشی کا اظہار کیا کہ اردو میں محققین بڑے سنجیدگی سے کام کر رہے ہیں یہ ایک امید افزا بات ہے۔ بھاگ متی کے واقعہ کی طرف انھوں نے بھی اشارہ کیا اور کہا کہ جناب حسینی شاہد صاحب جو شاہ مین الدین اعلیٰ" پر کام کر رہے ہیں ان کو کچھ ایسے اسناد ملے ہیں اور خود حیدرآباد میں ایک خاندان موجود ہے جو بھاگ متی سے تعلق ہے۔ ان شواہد کی روشنی میں بھاگ متی کے وجود سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ ہارون خاں شروانی صاحب بحیثیت مورخ کے اس کے غیر حقیقی ہونے کی تہ تک پہنچے ہوں مگر اہل ادب ساتھ ان کی بات کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

آخر میں مسری نیواس لاہوٹی صاحب نے حاضرین اور مہمانوں کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ ادیب کے قدم بھی مورخ کی طرح سے محتاط ہونے چاہئیں اس لیے کسی بات کو بھی آسانی سے قبول کر لینے میں اکثر بڑی قباحتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

مہمان شعرا کے کلام پر یہ محفل اختتام کو پہنچی۔

(ارشاد علی خاں)

مرٹھواڑہ ادبی سرکل احمد پور (عثمان آباد مہاراشٹر) کے انتخابات

مرٹھواڑہ ادبی سرکل تقریباً تین سال سے نہایت خاموشی کے ساتھ اردو کی خدمت انجام دے رہی ہے۔ اس اہم سرکل کے تحت ایک اور بزم بھی ہے اس بزم کے تحت مسلسل تین سال سے شاندار مشاعرے منعقد ہوتے رہے جن میں مرٹھواڑہ کے مشہور شعراء نے حصہ لیا اور شائقین نے ہزارہا کی تعداد میں شریک ہو کر کامیاب بنایا۔

اس کے علاوہ ادبی سرکل کے سامنے مرٹھواڑہ کے شعراء کے کلام اور ادیبوں کے مضامین کو شائع کرنے کا اہم پروگرام بھی ہے۔

جناب قیوم صادق احمد پوری ایم۔ اے کی کتاب "اردو ادب میں تنقید کی اہمیت" اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ اس کتاب کو ادیبوں اور طالب علموں نے بہت پسند کیا اور پندرہ دن کی قلیل مدت میں اس کی سیکڑوں کاپیاں فروخت ہو گئیں۔

۸ر جون ۱۹۶۶ء کو اس اہم ادبی سرکل کے انتخابات ہوئے۔

(محمد ابراہیم شاکر، معتمد نشر و اشاعت)

گلستان ادب پوسد کا طرحی مشاعرہ

۱۱ر جون ۶۶ء کو ایک طرحی مشاعرہ جناب محمد ابراہیم صاحب بسمل کی صدارت میں اردو مڈل اسکول پوسد میں منعقد ہوا۔ مشاعرے کی کارروائی کا آغاز حسان عقیل نے نعت سے کیا۔

صدر مشاعرہ کے خطبۂ صدارت کے بعد جناب محمد عزیز الحق صاحب ایڈوکیٹ نے افتتاحی تقریر کی۔ صدر موصوف و حق صاحب نے اپنی تقاریر میں اردو زبان کی اہمیت اور اس کی مقبولیت پر اظہار خیال فرماتے ہوئے اہل بزم کی اس پر خلوص جدوجہد پر خراج تحسین پیش کیا۔

اس مشاعرے میں بہت سے اہم شعراء نے اپنا طرحی کلام سنایا۔

بزم مشاعرہ تقریباً دو بجے شب بحسن و خوبی اور نہایت کامیابی کے ساتھ اختتام پذیر ہوئی۔

(اسحٰق مجرم، ناظم نشر و اشاعت)

ناگپور یونیورسٹی سے اردو کو اختیاری مضمون کی حیثیت سے ختم کیے جانے کے خلاف ودربھ کے گوشہ گوشہ سے صدائے احتجاج بلند کی جائے

ناگپور (ڈاک سے) ناظم نشر و اشاعت علاقہ ودربھ جمعیۃ علماء نے ایک صحافتی بیان کے ذریعہ ودربھ کے تمام تعلیمی و سماجی اداروں، جمعیۃ علماء، انجمن ترقی اردو، مسلم برار ایجوکیشنل سوسائٹی و دیگر جماعتوں سے اپیل کی ہے کہ وہ ناگپور یونیورسٹی کی اکیڈمک کونسل کے اس فیصلہ کے خلاف صدائے احتجاج بلند کریں کہ بی ایس سی، بی اے اور بی کام کے امتحان کے لیے اردو کو اختیاری مضمون کی حیثیت سے لینے کے رابطہ کو ختم کر دیا ہے۔ جبکہ اردو زبان اس علاقہ کی تیسری زبان کی حیثیت رکھتی ہے۔ اور علاقہ کی ایک بڑی آبادی اس زبان کو بولتی ہے اور اسے دستور ہند میں بھی نمایاں مقام حاصل ہے اقلیتی زبان کے تحفظ کے پیش نظر اس زبان کو برقرار رکھ کر جمہوری انصاف کو قائم رکھے امید کہ ناگپور یونیورسٹی کی اکیڈمک کونسل اپنے فیصلہ پر نظر ثانی کر کے مذکرہ بالا امتحانات میں اردو کو اختیاری مضمون کی حیثیت سے لینے کی روایت کو برقرار رکھ کر اپنی انصاف پروری جمہور نوازی اور اقلیت پرستی کا ثبوت دے گی۔

اس سلسلہ میں تجاویز منظور کر کے وزیر اعظم ہند، صدر کانگریس، مرکزی وزیر تعلیم چھاگلا، یونیورسٹی گرانٹس کمیشن، وزیر اعلیٰ مہاراشٹر، چانسلر اور گورنر، وزیر تعلیم مہاراشٹر شری کو لیے، وائس چانسلر اور اخبارات کو روانہ کی جائیں۔ (الجمعیۃ)

"ہماری زبان" کو مضامین، مراسلات بھیجتے وقت یہ خیال رکھیں کہ وہ کاغذ کے ایک طرف لکھے ہوں۔

کتابیں ملیں

اکبر ٹائمز (ہفت روزہ)

مدیران: عبدالحمید سرور و اسماعیل اکبر
مقام اشاعت: انصاری چوک، مالی گاؤں
قیمت: فی کاپی دس پیسے

اکبر ٹائمز اردو کا ہفتہ وار اخبار مالی گاؤں سے نکلنا شروع ہوا ہے۔ یہ پہلا شمارہ ہے۔ اخبار کے سرورق پر مختلف شاعروں کے منتخب اشعار "مشاعرۂ خاص برائے بتاں حسن حسینہ" کے عنوان سے شائع ہوئے ہیں جن میں شاعروں کے نام درج نہیں ہیں۔ اطہر الخیری کے قطعات ادب کے ساتھ دلچسپ ہیں۔ اس شمارے میں چند قطعات، منتخب اشعار، ایک غزل اور کچھ خبروں کے علاوہ اشتہارات ہیں جن کی تعداد تقریباً تیرہ ہے۔ اخبار میں تنوع پیدا کرنے کے لیے کچھ ادبی مضامین بھی شامل ہوں تو اچھا ہے۔ مالی گاؤں سے اس ہفتہ وار اخبار کا اجرا ایک اچھا شگون ہے

کمیونزم اور نو آبادیت

یہ کتاب $\frac{20 \times 30}{16}$ کے ۱۸۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ وار ڈ کورز کے بی۔ بی۔ سی نشریوں کا مجموعہ ہے جس کا ترجمہ جلیس عابدی نے کیا ہے۔ اس کو جارج گرڈمس نے ترتیب اور ایڈورڈ کرینک شا نے اس کا تعارف لکھا ہے۔ اس مجموعے میں کل بارہ ریڈیائی تقریریں شامل ہیں۔
یہ کتاب ایک روپے میں نیشنل اکاڈمی ۹ انصاری مارکیٹ دریا گنج دہلی سے مل سکتی ہے۔

میٹرک کے بعد کیا کریں؟

یہ کتاب $\frac{20 \times 30}{16}$ کے ۴۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کو لطیف جعفری اور احمد عثمانی نے مرتب کیا ہے۔ میٹرک پاس یا جو طلبہ میٹرک پاس نہیں ہیں ان کی ضروریات کے لیے مختلف کالجوں اور اداروں کے ایسے کورسوں کی تفصیلات درج ہیں جو ان کے لیے مفید ہو سکتے ہیں۔ اس کتاب کا خاص مقصد حیدرآباد کے میٹرک پاس اردو طلبہ کی صحیح رہنمائی کرنا ہے۔
یہ انصار پبلشنگ ہاؤس انصار ڈاپی (شری کھڑکی روڈ) مالی گاؤں سے دو روپے میں مل سکتی ہے۔

ایم حبیب خاں

—×—×—×—

صفحہ ۳ سے آگے

چند قطعات تاریخ ملاحظہ ہوں

"بقراط زماں ارسطوئے دوراں جناب حکیم محمد بہاء الدین خاں صاحب تلمیذ بلبل ہند داغ دہلوی المتخلص بہ بہار رامپوری مقیم شفاخانہ حضور سلطان الہند غریب نواز"

شمس الدین خاں نواب عاشق	خوش ریختہ رشک پارسی گفت
پر سدم بہار ز ہاتف سالش	فانوس خیال عاشقی گفت

۱۹ ھ ۱۳

ولہ

خواجہ عاشق حسن نواب ذی وقار	ساخت دیوانش مرتب از خوشی
سال طبع پاک او از من بہار	گفت ہاتف — رو بکار فرخی

۱۹ ھ ۱۳

(دیوان عاشق اجمیری)

"قطعہ تاریخ طبع کتاب ہذا از نتیجہ فکر سخن آفرین رشک خاقانی و قاآنی افسر الاطبا حکیم محمد بہاء الدین خاں صاحب بہار"

احسن السیر شد دگر مطبوع	باد یارب بہر دلش منزل
پر تو حجاب اہ بحسن صفا	ہیچو حسن بتان چنین و چگل
مشفقم اکبر جہاں بہ خدا	طرفہ تالیف ساخت از مشکل
باز عبدالرحیم کردش جمع	کز صلوات .... ل
فکر سالش بہار چو گشت بجن	گفت ہاتف بگو — فرح دل

۱۳۲۵ھ

باز گفتم دگر بگو گفتا	حسن تعمیر عاقل کامل

۱۳۲۰ھ

(احسن السیر ص ۲۰۰۰)

... انجمن ترقی اردو (ہند) ... ضمیر الحسن قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھپوا کر ... دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ سے شائع کیا